

اضطراب

ارشد محمود ارشدؔ



کتاب ہم راز ہے

Book is our confidant

امـلاک
AMLAK
0336-9759678

اضطراب

ارشد محمود ارشدؔ

املاک
پبلی کیشن پاکستان
03452157824

ارشد محمود ارشد

اس کتاب کا کوئی حصہ مصنف یا ناشر کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی بھی وضع یا جلد میں کلی یا جزوی، منتخب یا مکرر اشاعت یا بہ صورت فوٹو کاپی، ریکارڈنگ، الیکٹرانک، مکینکل یا ویب سائٹ پر لوڈنگ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔۔ قانونی مشیر:۔ایڈووکیٹ عابد معروف مغل (راولپنڈی)

ناشر، بانی و مہتمِ اعلیٰ:۔شاہ روم خان ولیؔ

معاون ناشر:۔ڈاکٹر عبدالرزاق سحرؔ

ضابطہ

کتاب	:	اضطراب
صنف	:	غزلیات
شاعر	:	ارشد محمود اشد
ناشر	:	املاک پبلی کیشنز
زیرِ اہتمام	:	بزمِ ولیؔ پاکستان
کتابت	:	محمد شایان خان 03369759678
تزئین	:	شاہ روم خان ولیؔ
موسمِ اشاعت	:	دو ہزار پچیس
تعدادِ کتب	:	پانچ سو
قمیت	:	ایک ہزار روپے
مطبع	:	برکت پرنٹنگ پریس (کراچی)

کتاب پی ڈی ایف میں بنوانے یا معیاری اور سستی کتاب کی اشاعت کے لیے رابطہ کریں۔ 03452157824

انتساب

جناب امین اوڈیرائی

کے نام

زینے

اضطراب کا بین السطور

شاعری ایک ارتقائی فن ہے، جو ہر دور کی روح کو جذب کر کے ایک نئی زبان و اسلوب میں ڈھلتا رہا ہے۔ اردو غزل کا سفر بھی اسی مسلسل تبدیلی اور تہذیبی کشمکش کا عکس ہے۔ کلاسیکی غزل نے جہاں عشق، ہجر، جمالیات اور صوفیانہ مضامین کو اپنے دامن میں سمیٹا، وہیں جدید غزل نے سماج، سیاست، داخلی اضطراب اور وجودی سوالات کو موضوعِ سخن بنایا۔ آج کا شاعر نہ صرف اپنی ذات کے کرب کو بیان کرتا ہے بلکہ اپنے ماحول کی وحشت، معاشرتی ناانصافیوں اور انسانی بے چارگی کو بھی غزل کی لطافت میں سمو دیتا ہے۔

ارشد محمود ارشدؔ کی حالیہ شعری کتاب "اضطراب" اس جدید لب و لہجے کی نمائندہ غزلوں کا دلکش مرقع ہے۔ یہ ان کی نواں کتاب ہے، اور اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا تخلیقی سفر محض تسلسل نہیں بلکہ فکری و فنی ارتقاء کا گواہ بھی ہے۔ اس کتاب میں جہاں ایک روایت یافتہ غزل کا ذائقہ باقی ہے، وہیں جدید انسان کی روح کی بے چینی، ٹوٹتی قدریں، اور سماج کی بدلتی ہوئی ساخت بھی پوری شدت سے نمایاں ہے۔ ارشد کی غزلوں میں نہ صرف تخیل کی تازگی ہے بلکہ احساس کی شدت اور اظہار کی سچائی بھی ہے۔

میرا ارشد محمود ارشد سے تعلق تقریباً اٹھارہ سال پر محیط ہے۔ ہماری پہلی ملاقات ان دنوں ہوئی جب آن لائن موبائل مشاعروں کا رجحان نیا نیا تھا۔ وہ آواز جو موبائل کی اس چھوٹی سی اسکرین پر سنائی دی، جلد ہی دل میں اتر گئی۔ اشعار میں روانی، لہجے میں خلوص، اور شخصیت میں ایک وقار نمایاں تھا۔ ان مشاعروں سے شروع ہونے والا تعلق وقت کے ساتھ دوستی میں بدلا، اور پھر وہ میرے لیے بڑے بھائی کی مانند ہو گئے۔

ادب کے اس سفر میں، ہم نے ایک دوسرے کی شاعری کو نہ صرف سنا بلکہ محسوس بھی کیا۔ ارشد محمود ارشدؔ کی شخصیت میں ایک نرمی، اپنائیت، اخلاص اور فکری وسعت ہے، جو ہر سننے والے کو متاثر کرتی ہے۔ ان کے ساتھ گزرا ہر لمحہ تخلیقی تجربوں، ادبی گفتگو اور دل کی سچائیوں سے لبریز رہا ہے۔ وہ صرف ایک شاعر نہیں، بلکہ ایک باوفا دوست، ایک رہنما اور مشفق بزرگ بھائی کی طرح ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔

ارشدؔ کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو ان کی انکساری ہے۔ انہوں نے ہمیشہ ادب کو ذاتی انا سے بالا رکھا، اور نووارد شعراء کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ ان کی محبت بھری طبیعت اور مثبت طرزِ فکر نے نہ صرف مجھے بلکہ بے شمار دوسرے احباب کو بھی متاثر کیا۔ انہیں جو جانتے ہیں، ان کے لیے محض شاعر نہیں بلکہ احساسات کا پیکر ہیں۔

"اضطراب" سے قبل ارشد کے چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جبکہ دیگر کتب سمیت یہ ان کی نویں کتاب ہے۔ ہر کتاب میں ایک نیا زاویہ، ایک نئی روشنی، اور ایک نئی فکری بلندی سامنے آئی

ہے، مگر "اضطراب" ان سب کا نچوڑ معلوم ہوتی ہے۔ یہ کتاب ان کے فکری اور تخلیقی سفر کا سنگِ میل ہے، جو اُن کے قاری کو نئے افق عطا کرتی ہے۔

ارشدؔ جیسے شعراء کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں۔ ان کے لفظ، ان کی سوچ، ان کا جذبہ، اور ان کی فکری گہرائی آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ میری دُعا ہے کہ یہ نواں سفر ان کے تخلیقی سلسلے کی نئی ابتدا ہو، اور ان کا قلم اسی جوش و جذبے کے ساتھ جگمگاتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم، فن اور صحت میں برکت دے اور ان کا سایہ ہم اہلِ ادب پر ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔

ارشد محمود ارشد خوابوں کی دنیا کا شاعر نہیں، وہ ایک ایسا فنکار ہے جو حقیقت کو خواب کی آنکھ سے نہیں دیکھتا بلکہ خوابوں کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ ان کے اشعار میں ایک شدید داخلی تجربہ موجود ہے جو قاری کو جھنجھوڑ دیتا ہے۔۔۔۔

خواب دیکھوں گا نہ میں خواب دکھاؤں گا تجھے
ہاں مگر چھوڑ کے رستے میں نہ جاؤں گا تجھے

یہ شعر محض عاشقانہ عہد نہیں، بلکہ اس دور کے جھوٹے خوابوں سے انکار کا بیانیہ ہے۔ شاعر نہ صرف خوابوں کے فریب سے آگاہ ہے بلکہ اپنی کمٹمنٹ اور استقامت کا اعلان بھی کرتا ہے۔

جدید غزل میں رشتوں کی معنویت بھی از سرِ نو تشکیل پاتی ہے۔ ارشدؔ ان رشتوں کو محض جذباتی رومانیت کے پیرائے میں بیان نہیں کرتے، بلکہ ان میں خودی اور عزتِ نفس کی قدر شامل کرتے ہیں۔

اپنے کاندھوں پر اٹھا کر قد بڑھایا ہے ترا
اس سے بڑھ کے اور کیا توقیر دیتا میں تمہیں

یہاں شاعر ایک عظیم استعارے کے ذریعے خود کو فنا کرنے کے بجائے شریکِ سفر بناتا ہے۔ وہ دوسروں کو توقیر دیتا ہے، مگر اپنی بھی ایک وقعت قائم رکھتا ہے۔ یہ توازن ہی جدید انسان کی روحانی کشمکش کا مظہر ہے۔

ارشدؔ کی غزلوں میں حسن کے جبر اور معصومیت کی بے بسی کو بھی فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کا یہ شعر نہ صرف معاشرتی بے حسی کا عکس ہے بلکہ عورت کے استعارے میں سماج کی منافقت بھی آشکار کرتا ہے۔۔۔

وہ بے خطا غریب تھا بے موت مر گیا
اک خوبرو کے شور مچانے کی دیر تھی

یہ مصرعہ محض حادثاتی کہانی نہیں بلکہ اس معاشرے کا نوحہ ہے جہاں سچ اور جھوٹ کا فیصلہ اکثر چہروں کی خوبصورتی یا بدصورتی سے کیا جاتا ہے۔۔۔

ارشدؔ کا فکری دائرہ محض ذاتی وارداتوں تک محدود نہیں۔ ان کی غزلیں وجودی سوالات سے بھی الجھتی ہیں، اور اس کائناتی بے حسی پر سوال اٹھاتی ہیں۔۔

یہ کس نے دہشت زدہ کیا ہے ہر ایک منظر
کہ ساری مخلوق بے اماں ہے خدا کہاں ہے

یہ وہ سوال ہے جو جدید انسان کے دل میں سب سے گہری جگہ رکھتا ہے۔ ارشدؔ نے اسے نہایت سادگی سے لیکن بے حد اثر انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔
جدید انسان قید و بند کی علامتوں میں گھرا ہوا ہے۔ ارشدؔ اس قفس کو شناخت کرتے ہیں اور اس سے آزادی کی امید بھی رکھتے ہیں۔۔۔

دنیا تمہارے جال میں آیا تو ہوں ابھی
نکلوں گا ایک روز میں جو اس قفس میں ہوں

یہ شعر ایک ایسے انسان کی آواز ہے جو جکڑا گیا ہے لیکن ہار نہیں مانتا۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ ایک دن وہ اس قفس سے نکلے گا۔
ارشد کی غزلوں میں زبان کا ایک خاص جمالیاتی پیرایہ ہے۔ ان کے اشعار میں نہ تصنع ہے، نہ روایت کی جکڑبندیاں، بلکہ سادگی، شفافیت اور دردمندی کی آمیزش ہے۔
"اضطراب" محض ایک شعری مجموعہ نہیں بلکہ ایک عہد کی فکری اور جذباتی تاریخ ہے۔ یہ کتاب اس بات کا ثبوت ہے کہ غزل آج بھی زندہ ہے، لیکن اس کے موضوعات بدل چکے ہیں۔ اب غزل صرف لب و رخسار کی مدح نہیں، بلکہ ضمیر کی تڑپ، دل کی بے چینی، اور سماج کی کراہ بن چکی ہے۔

ارشد محمود ارشدؔ نے "اضطراب" کے ذریعے اردو غزل کو ایک نیا زاویہ دیا ہے۔ ان کے ہاں روایت کا احترام بھی ہے اور جدید فکر کی آنچ بھی۔ ان کے اشعار ہمیں نہ صرف غور و فکر پر مجبور کرتے ہیں بلکہ اندر کے خالی پن کو بھی آواز دیتے ہیں۔ یہی وہ پہچان ہے جو ایک سچے شاعر کو عام شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔

ان کی غزلیں ہمیں یہ یاد دلاتی ہیں کہ "غزل فقط فصاحت نہیں، صداقت بھی ہے۔"

میری دُعا ہے کہ "اضطراب" نہ صرف اردو ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل کرے بلکہ آنے والے وقتوں میں قارئین کے دلوں کو اسی طرح جھنجھوڑتا اور جگاتا رہے۔ ارشدؔ کا قلم سلامت رہے، اور اُن کا یہ تخلیقی سفر آنے والے کئی شعری سنگِ میل کی طرف رواں دواں رہے۔ آمین

والسلام

شاہ روم خان ولیؔ۔۔۔مردان

6جولائی 2025ء

اضطرابِ دل

،،عجب سی بے قراری ہے،،سے،،اضطراب،،تک کا سفر بے چینی، بیتابی و بے سکونی سے عبارت ہے میں نے اپنے پہلے شعری مجموعہ کی اشاعت کے موقع پر اپنی بات میں اس بے سبب اداسی و بے قراری کی بابت کہا تھا کہ میں خود اس کا کارن سمجھنے سے قاصر ہوں اور میری یہ لاعلمی آج بھی جوں کی توں ہے مگر میں اتنا ضرور سمجھ پایا ہوں کہ میرا سخن اسی بے قراری و بیتابی کا مرہون منت ہے رہِ زیست کی طویل مسافت میں اگر کہیں سکون کی گھڑی نصیب ہوئی بھی تو سُخن کی دیوی نے آنکھیں پھیر لیں اور یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے فنِ سخن سے کبھی آشنائی ہی نہ رہی ہو

میرا چوتھا شعری مجموعہ،،بساطِ زیست،، 2017 میں شائع ہوا اور اب آٹھ سال بعد،،اضطراب،، لباسِ طباعت زیب تن کرنے جا رہا ہے ان آٹھ برسوں میں تخلیقی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تحقیقی وانتظامی امور بھی انجام دینے کی جہد کی،،پذیرائی،، کے عنوان سے 505 شعراء کا تعارف و کلام نہ صرف،،کتاب چہرہ،، کی زینت بنا بلکہ پی ڈی ایف میں محفوظ بھی ہوا یہ اور بات کہ تاحال مالی مشکلات کی بنا پر ہارڈ بائینڈنگ کتابی شکل میں نہیں ڈھل سکا مگر نیت بھی تو آدھا ثواب ہوتی ہے ان شاء اللہ ایک دن ضرور وہ خواب بھی تعبیر پائے گا۔

انتظامی طور پر کئی ادبی تنظیموں کے زیرِ سایہ اپنی بساط سے بڑھ کر ادبی خدمت گاری کی مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تجربہ بہت تلخ رہا آپ ساری زندگی کسی کو سر آنکھوں پہ بٹھائے رکھیں بس ایک چھوٹی سی بھول چوک یا مجبوری آپ کی ساری ریاضت و عقیدت کو برباد کر سکتی ہے ہمارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے یہ بونے بت خود کو خدا سمجھ لیتے ہیں اور پھر وہ کسی صورت خدائی چھوڑنے کے روادار نہیں ہوتے۔

مجھ سے اکثر یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ کے اشعار میں طنز کی کاٹ بہت تیز دھار ہوتی ہے ایسا کیوں ؟ تو میرا جواب ہوتا ہے کہ اس دھار کو رویوں کی رگڑ اور تیز دھار بنا دیتی ہے چونکہ تخلیق کار کا سب سے بڑا ہتھیار قلم ہوتا ہے سو وہ ہر ناانصافی، تلخی، حق تلفی، لہجوں کے وار اور طعنوں کی یلغار کا مقابلہ نوکِ قلم سے کرتا ہے اور پیادہ رہ کر ان شہسواروں کو قرطاس پر پچھاڑنے کی سعی کرتا ہے اور یوں ادبی فن پارے وجود میں آتے ہیں

شاعر خیالی باتیں نہیں کرتا اس کے سخن کے پس منظر میں کوئی راز، مشاہدہ، تجربہ یا تجزیہ ضرور ہوتا ہے یہ اور بات کہ وہ سب پر نہیں کھلتا یہ تو قاری کا حسنِ نظر ہے کہ وہ شعر، مصرعے یا نظم کو کس زاویے سے دیکھ رہا ہے اور کس طرح سمجھ رہا ہے ہر قاری کا زاویہ دید یکساں نہیں ہو سکتا۔،، اضطراب،، آپ کے سامنے ہے میری بیتابی و بے قراری کا کارن آپ نے تلاشنا ہے میں ایسے تمام احباب کا تہِ دل سے ممنون ہوں جن کے طنز، طعنے و رویے میرے لیے وجہِ شعر و سخن بنتے ہیں پروردگار ان کی توفیقات میں وسعت عطاء فرمائے تا کہ کاروبارِ سخن یوں ہی چلتا رہے

،، اضطراب،، کا انتساب میں نے جنابِ امین اوڈیرائی کے نام کیا ہے جن سے بہت کچھ سیکھا ہے ریگزارِ ادب کی طویل مسافت میں جہاں بھی مشکل پیش آئی جناب امین اوڈیرائی نے رہنمائی کی۔

ہمارا یہ ساتھ دو دہائیوں پر محیط ہے ہمارے ایک اور مشترکہ دیرینہ دوست شاہ روم خان ولی ہیں جو ہمیشہ عزت واحترام اور بڑے بھائی کا درجہ دیتے ہیں،،اضطراب،، کو کتابی شکل دینے اور،،اضطراب کے بین السطور،، تحریر کرنے پر میں ان کا بھی ممنون ہوں دیگر بے شمار دوست ہیں جو وجہِ سکون قلب ہیں سب کے نام نوکِ قرطاس تک نہیں لا سکتا۔ تمام احباب کا تہِ دل سے ممنون ہوں بہت سی دعائیں خیر خواہوں اور بد خواہوں کے لیے۔۔۔مالک سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔آمین

ارشد محمود ارشد

8جولائی2025ء



ہوائے سرد چلی ساتھ ہو لیا میں بھی
مثالِ برگِ خزاں دیر تک اُڑا میں بھی

کسی طرح سے تو ٹوٹے یہ تیرگی کا فسوں
چراغِ شب کو جلاتے ہوئے جلا میں بھی

جدھر نگاہ پڑی ایک ہُو کا عالم تھا
نجانے کونسے سگنل پہ رک گیا میں بھی

سمے کی دھوپ نے جھلسا دیا مجھے ورنہ
دکھائی دیتا تھا تجھ سا ہرا بھرا میں بھی

بتا رہے ہو مجھے کونسی قیامت کا
ہزار بار تو کرتا ہوں سامنا میں بھی

گنوا کے زیست کی پونجی مجھے خیال آیا
کہ اپنے بارے میں اے کاش سوچتا میں بھی

کسی شمار میں آیا نہیں مگر ارشدؔ
تمھارے چاہنے والوں میں تھا کھڑا میں بھی



خواب دیکھوں گا نہ میں خواب دکھاؤں گا تجھے
ہاں مگر چھوڑ کے رستے میں نہ جاؤں گا تجھے

میں نے اس واسطے شعروں میں تجھے ڈھال دیا
سانس کی آخری لے پر بھی میں گاؤں گا تجھے

عین ممکن ہے کتابوں میں تُو پڑھتا ہو گا
اک غزل پاس بٹھا کر میں سناؤں گا تجھے

تو کسی روز مجھے دشت میں ملنے آنا
جامِ وحشت کے مرے یار پلاؤں گا تجھے

میں نے یہ سوچ کے لشکر سے بغاوت کی ہے
خود اگر ہار گیا تخت پہ لاؤں گا تجھے

دیکھ اجڑے ہوئے منظر تو مخاطب ہے مرا
تجھ سے وعدہ ہے کسی روز بساؤں گا تجھے

مجھ کو مسمار وہ کرتے ہوئے بولا ارشدؔ
اب کسی اور طریقے سے بناؤں گا تجھے



جنگ لڑنے کی کوئی تدبیر دیتا میں تمہیں
خود نہتا رہ کے بھی شمشیر دیتا میں تمہیں

اپنے کاندھوں پر اٹھا کر قد بڑھایا ہے ترا
اس سے بڑھ کے اور کیا توقیر دیتا میں تمہیں

دوست بن کے وار تم نے جو کیا ہے پیٹھ پر
تجھ سا گر کم ظرف ہوتا چیر دیتا میں تمہیں

اضطراب

تم اگر بیعت نہ کرتے اس شبِ تاریک کی
گو دیا تھا کچھ نہ کچھ تنویر دیتا میں تمہیں

اس کا رستہ دیکھتی ہے دل کی سونی رہگزر
دوسرا کیسے کوئی رہگیر دیتا میں تمہیں

عشق کرتا تو سلیقے سے اگر بیٹھے مرے
بعد اپنے قیس کی جاگیر دیتا میں تمہیں

کتنی حسرت تھی کہ ارشدؔ تو مسیحائی کرے
کتنا چاہا تھا دلِ دلگیر دیتا میں تمہیں



اس لیے بھی تو کسی سے نہیں لڑ کر آئے
پیڑ آنگن میں اگایا تھا سو پتھر آئے

تو نے تعبیر بتائی ہے بھیانک جن کی
ایسے کچھ خواب مجھے یار تواتر آئے

تیری آنکھوں میں کہیں ڈوبتا سورج دیکھوں
ایسی اے کاش کوئی شام میسر آئے

اضطراب

میری ہر رات جو آنکھوں میں گزر جاتی ہے
میرے حصے میں فقط کانٹوں کے بستر آئے

وہ مرا شعر مکمل نہیں ہونے دیتا
ایک مصرع جو کبھی بھولے سے بہتر آئے

جاں بہ لب ہوں میں کوئی جا کے بتائے اسکو
آخری دید کو اک بار ستمگر آئے

ٹوٹے خوابوں کا ہے جزیہ یوں اتارا ارشدؔ
اشک پلکوں کی منڈیروں پہ ہیں اکثر آئے



ہوا کے گیسو سنوارنے سے بھی کچھ نہ بدلا
اندھیری شب کو گزارنے سے بھی کچھ نہ بدلا

میں اس تذبذب میں ہاتھ باندھے کھڑا ہوا ہوں
اگر خدا کو پکارنے سے بھی کچھ نہ بدلا

یہ کار الفت بھی خود فریبی نہیں تو کیا ہے
یہاں اناؤں کو مارنے سے بھی کچھ نہ بدلا

اضطراب

کسی نے کاندھے پہ ہاتھ رکھا تو رو دیا میں
پہ بوجھ دل کا اتارنے سے بھی کچھ نہ بدلا

میں اس فریبی سے جیت جاتا تو کیا برا تھا
کہ جیتی بازی کو ہارنے سے بھی کچھ نہ بدلا

وہ ایک لقمہ حلق سے نیچے نہیں اترتا
کہ اشتہائیں ابھارنے سے بھی کچھ نہ بدلا

بدن تو شل تھا مسافتوں کی تھکن سے ارشدؔ
تو پاؤں شب بھر پسارنے سے بھی کچھ نہ بدلا



ہائے ، دو طرفہ محبت کا بھرم توڑ دیا
اس نے صدیوں کی رفاقت کا بھرم توڑ دیا

مجھ کو مارا ہے اندھیروں کے حوالے کر کے
میرے قاتل نے عداوت کا بھرم توڑ دیا

نوک خنجر کی گواہی بھی نہ مانی اس نے
ایک منصف نے عدالت کا بھرم توڑ دیا

اضطراب

میں نے جس شخص کو اپنی تھی وکالت سونپی
آج تو اس نے نیابت کا بھرم توڑ دیا

بیچ رستے کے ہمیں چھوڑ کے جانے والو
تم نے میلوں کی مسافت کا بھرم توڑ دیا

تیری باتوں سے مجھے بغض کی بو آتی ہے
تو نے اے دوست امانت کا بھرم توڑ دیا

تم نے اس درد کو مصرعوں میں نہ باندھا ارشدؔ
تم نے برسوں کی ریاضت کا بھرم توڑ دیا



ملن کی آخری خواہش تمام ہو گئی تھی
ہمیں تو گاؤں کے رستے میں شام ہو گئی تھی

تمہارا حکم تھا ہر حال مسکرانا ہے
سپاہِ رنج و الم تشنہ کام ہو گئی تھی

زبان کاٹ کے رکھی ہے لو ہتھیلی پر
یہ بد لحاظ بہت بے لگام ہو گئی تھی

اضطراب

میں ایک اسمِ مبارک کا ورد کرنے لگا
چڑیل خوف کی اک پل میں رام ہو گئی تھی

خمار اس لیے رہتا ہے ہر گھڑی مجھ میں
کہ ایک لمس کی حدت ہی جام ہو گئی تھی

یہ کس بھنور میں اتارا تھا مجھ کو ہم نفسو !
بساطِ زیست کی گردش مُدام ہو گئی تھی

بہت محال تھا سانسیں رواں دواں رکھنا
بچھڑ کے زندگی ارشد حرام ہو گئی تھی



جاگتی آنکھوں سے جو دیکھا تھا سپنا رہ گیا
زندگانی میں تمہارے جبر سہتا رہ گیا

پھر کوئی کردار الجھا ہے کہانی کار سے
چاہتوں کا پھر ادھورا اک فسانہ رہ گیا

وہ عدو سے مل گیا ہے جس پہ دل کو ناز تھا
اب بتا کس کام کا تیرا بھروسہ رہ گیا

وقت کی آندھی اُڑا کے لے گئی سب حسرتیں
اور ہاتھوں پر کسی کا نام لکھا رہ گیا

لوگ ملتے تو رہے دو چار لمحوں کے لیے
دل ادھورا تھا ازل سے وہ ادھورا رہ گیا

اور کوئی آ گیا تھا مرکزی کردار میں
میں کتابِ زیست کا عنوان بنتا رہ گیا

پرَ نکل آئیں تو پنچھی اُڑ ہی جاتے ہیں میاں
دیکھ لے خالی تمہارے دل کا پنجرہ رہ گیا

سوچتا ہوں اب کہاں جا کے میں بیچوں گا خلوص
کس پرانے وقت کا بٹوے میں سکہ رہ گیا

مجھ کو آیا ہی نہیں ہے زندگی جینے کا ڈھب
موسمِ گُل میں پرندوں کو اُڑاتا رہ گیا

ایسا لگتا ہے کہ اس کو ہار جاؤں گا کبھی
گر ذرا سی بات کو دل سے لگاتا رہ گیا

شام ڈھلنے کو ہے ارشد اب تو سوچ بھی تو کیا
کونسی چوٹی ہوئی سر اور کیا کیا رہ گیا



وہ جو بہانے ڈھونڈ رہا ہے نجات کو
ترسے گا ایک روز مری بات بات کو

مجھکو تو ایک شخص میسر نہ ہو سکا
تُو ہی بتا میں کیا کروں اس کائنات کو

پتھر بنا دیا ہو جسے انتظار نے
وہ کیا سمجھ سکے گا رموزِ حیات کو

خوشبو ابھی تلک مری پوروں میں ہے بسی
اس واسطے عزیز میں رکھتا ہوں ہات کو

جب تُو نہیں تو یاد کا ملبہ بھی کس لیے
کب تک سنبھال کے میں رکھوں باقیات کو

دن کاٹنے کے اور بہت مشغلے تو ہیں
بن تیرے کس طرح سے گزاروں میں رات کو

ارشدؔ عجب طرح کا ہے میرا مزاج بھی
میں دستیاب ہوتا ہوں خود حادثات کو



دولتِ احساس کا تاوان بھرتے رہ گئے
بے خطا سرزد ہوئے نقصان، بھرتے رہ گئے

کونسی رفتار پر چلنے لگی ہے زندگی
ہم کہ ہر اک موڑ پر چالان بھرتے رہ گئے

تتلیاں کھڑکی کے باہر سے پلٹ جاتی رہیں
ہم بھی کیا سادہ تھے جو گلدان بھرتے رہ گئے

ہم نے بھی تو خواب دیکھے تھے بہاروں کے میاں
پتھروں سے اس لیے دالان بھرتے رہ گئے

ان کے گھر فاقہ کشی کا رقص دیکھا، رو پڑے
رات دن دہقان جو کھلیان بھرتے رہ گئے

شعر کہنے کا سلیقہ تو نہیں آیا ہمیں
مرنے والے قافیوں میں جان بھرتے رہ گئے

اس تعلق نے تو ارشد ٹوٹ جانا تھا کبھی
درمیاں کچھ لوگ تھے جو کان بھرتے رہ گئے



اک محفلِ وصال منانے کی دیر تھی
یوں مے کشوں کے ہوش سے جانے کی دیر تھی

جینا محال ہے ، کہ نہیں جی سکیں گے ہم
اس کج ادا کو اتنا بتانے کی دیر تھی

یہ کیا ہوا کہ دھول میں تحلیل ہو گئے
راہِ طلب میں دھول اڑانے کی دیر تھی

پھر اس کے بعد رتجگوں سے دوستی ہوئی
پلکوں پہ کوئی خواب سجانے کی دیر تھی

ایسا لگا کہ جیسے زمیں گھومنے لگی
باتوں میں اس کے بات گھمانے کی دیر تھی

وہ بے خطا غریب تھا بے موت مر گیا
اک خوبرو کے شور مچانے کی دیر تھی

ترکِ معاملات وہ کر کے چلا گیا
ارشدؔ اسے تو ایک بہانے کی دیر تھی



کہیں مکیں ہے کہ لامکاں ہے خدا کہاں ہے
یہ زرد موسم عذابِ جاں ہے خدا کہاں ہے

جہان سارا ستم کے شعلوں میں جل گیا تو
ہر ایک بستی دھواں دھواں ہے خدا کہاں ہے

کسی میں ہمت نہیں ہے ظالم کا ہاتھ روکے
فقط لبوں پر سبھی فغاں ہے خدا کہاں ہے

اضطراب

ہمیں وہ لاٹھی سے ہانکنے پر لگے ہوئے ہیں
عوام جیسے کہ بے زباں ہے خدا کہاں ہے

میں اس کو مسجد و مندروں میں تلاشتا ہوں
کہیں ہے ٹن ٹن کہیں اذاں ہے خدا کہاں ہے

یہ کس نے دہشت زدہ کیا ہے ہر ایک منظر
کہ ساری مخلوق بے اماں ہے خدا کہاں ہے

صدائے کن پہ نظام ہستی کھڑا ہے ارشدؔ
اے بے بصر تجھ کو کیا گماں ہے خدا کہاں ہے



عمر گزری ہے اسی طور ہماری ساری
زندگی خاک نشینی میں گزاری ساری

بغض و نفرت کا کوئی سانپ نہ پالا دل میں
دیکھ چاہت سے بھری یار پٹاری ساری

میں تجھے اس کی وکالت سے کہاں روکتا ہوں
تو نے دیکھی ہی نہیں کار گزاری ساری

میں نے ہی دام میں آ کر ہے عیاں تم کو کیا
ورنہ سازش تو سمجھ لی تھی تمہاری ساری

اب کہیں منہ کو چھپائے ہوئے بیٹھا ہے وہ شخص
اس کے چہرے سے کلی ایسے اتاری ساری

دینے والے کی رضا ہے کہ وہ کب دیتا ہے
اپنی سانسیں بھی تو ہیں یار ادھاری ساری

لوگ جو دہر کمانے میں لگے ہیں ارشدؔ
ہم نے اک شخص پہ دنیا ہے یہ واری ساری



آنکھوں سے یوں بول رہی ہے اک لڑکی
کانوں میں رس گھول رہی ہے اک لڑکی

دھیرے دھیرے در آئی ہے خوابوں میں
سوچوں کے در کھول رہی ہے اک لڑکی

جانے کیا کیا خواب بنیں گے دیوانے
جیسے ہنس کے بول رہی ہے اک لڑکی

کل بھی مجنوں دشت میں کہتا پھرتا تھا
صحراؤں میں رول رہی ہے اک لڑکی

دل کی قید میں پنچھی کب یہ رہتے ہیں
اڑنے کو پر تول رہی ہے اک لڑکی

خوش تھی کتنا ہاتھ چھڑا کر ہاتھوں سے
اب کیوں ایسے ڈول رہی ہے اک لڑکی

دیکھو ارشدؔ اس کو بھی نہ کھو دینا
پہلے بھی انمول رہی ہے اک لڑکی



مباحثہ نہ کوئی آپ سے گلہ کرنے
پرانا قرض تھا آیا ہوں جو ادا کرنے

بچھڑنے والے کو میں نے کہاں نہیں ڈھونڈا
مزارِ ہیر پہ جاؤں گا اب دعا کرنے

جوانی کاٹ کے ساری وہ مہ جبینوں میں
بڑھاپے میں ہیں لگے اب خدا خدا کرنے

اضطراب

کسی کے ہونٹ ، وہ جام و سبو نہیں لائے
عجیب لوگ ہو آئے ہو پارسا کرنے

شبِ حیات کی سب داستاں سناؤں گا
ہمارے ساتھ کبھی آؤ ناشتہ کرنے

بہت تھا زعم جنہیں اپنی زود گوئی کا
لگے ہوئے ہیں پرانے کو اب نیا کرنے

وہ ایک شخص بھی ارشد کما نہیں پائے
جہانِ فانی میں آئے بھی ہم تھے کیا کرنے



دریا پربت جنگل صحرا تیرے نام
ہر اک منظر میں نے لکھا تیرے نام

لوحِ دل پر جو ہیں یادیں بچپن کی
کاغذ کشتی کھیل تماشا تیرے نام

لب کی جنبش لمس سرکتے ہاتھوں کا
دل کی دھڑکن، چشمِ بینا تیرے نام

تُو جو اک پل جیون مجھ کو دان کرے
میں تو کر دوں یار زمانہ تیرے نام

روپ نگر میں رہنے والی شہزادی
عشق نگر کا ہر اک رستہ تیرے نام

میری نظمیں تیرے روپ کا پرتو ہیں
میری غزلیں مصرع مصرع تیرے نام

سانسوں کے سندور سے تیری مانگ بھروں
کر دوں اپنے دل کا سرمہ تیرے نام

تختِ شاہی مجھ کو بھی گر مل جاتا
تاج محل کا ہوتا نقشہ تیرے نام

میں نے ہر اک لفظ میں تجھ کو برتا ہے
درد میں ڈوبا میرا لہجہ تیرے نام

میری سوچ کا محور تیرا پیکر ہے
میری آنکھ کا ہر اک سپنا تیرے نام

ساگر لہریں کشتی تجھ پر واروں میں
ساحل کا ہر ایک نظارہ تیرے نام

تتلی جگنو ، بادِ صبا کی اٹکھیلی
کوئل ، کو کو اور پپیہا تیرے نام

رم جھم بارش، دھول اُڑاتی تنہائی
میرے کمرے کا ہر کونا تیرے نام

تجھ سے مجھ کو بانہوں کا جو ہار ملے
کردوں اپنے دل کا کوکا تیرے نام

پھول پرندے، باغوں کی سب رعنائی
جھرنے، ندیا، میٹھا چشمہ تیرے نام

تجھ پر ہر اک گہنا جچنے لگتا ہے
پیتل، کانسی، چاندی سونا تیرے نام

برکھا رُت میں ہاتھوں میں گر ہاتھ رہے
جل تھل بارش قطرہ قطرہ تیرے نام

آدھا جیون ارشدؔ نے تو ہار دیا
جو کچھ بھی اب پاس ہے سارا تیرے نام



ترکِ تعلقات کا یارا نہ کر سکے
ہم تیری بے رخی کو گوارا نہ کر سکے

اک شخص ہم کو جان سے پیارا تھا اس قدر
یہ کیا کہ اُس کو جان سے پیارا نہ کر سکے

وہ قطرہ قطرہ بانٹ رہا تھا محبتیں
قسطوں کی چاہتوں پہ گزارا نہ کر سکے

اضطراب

مدت کے بعد اس سے کہیں سامنا ہوا
ہائے یہ بے بسی کہ اشارہ نہ کر سکے

ہم اس لیے بھی راستہ بھٹکے ہیں دوستو
آنکھوں میں کوئی ایک ستارہ نہ کر سکے

اتنے کڑے ہوئے تھے خسارے حیات میں
یہ کارِ عشق یار دوبارہ نہ کر سکے

ارشد ہماری ذات ہی یکجا نہ ہو سکی
ارشد کہ اس کو ایک شمارہ نہ کر سکے



کھلتا ہوا گلاب تھا جو خار و خس میں ہوں
اپنے نہیں تو کیا ہوا تیرے تو بس میں ہوں

مجھ کو مرے خلوص نے بے مول کر دیا
ہر شخص یہ سمجھتا ہے میں دسترس میں ہوں

دنیا تمہارے جال میں آیا تو ہوں ابھی
نکلوں گا ایک روز میں جو اس قفس میں ہوں

تو جو بہار ہے تجھے مجھ سے غرض بھی کیا
میں پھول ہوں خزاؤں کا اور اپنی چس میں ہوں

تجھ کو عزیز تر ہیں جو دو چار پانچ دس
دو چار میں نہیں ہوں میں لیکن کہ دس میں ہوں

اے عشق انتظار مجھے سوکھنے تو دے
سرمہ بنوں گا یار ابھی میں کہ رس میں ہوں

ارشد مرے بغیر وہ جی کر دکھائے تو
میں جانتا ہوں دل میں نہیں اس کی نس میں ہوں



کہتے تھے جو نہیں میں کسی کام کاج کا
دیکھیں کما کے لایا ہوں دانا اناج کا

اب تک میں جی رہا ہوں تمہارے بغیر ہی
آخر تو کٹ ہی جائے گا یہ دن بھی آج کا

سادہ مزاج لوگ تھے باتوں میں آ گئے
اس کج ادا کو حق تھا دیا دل پہ راج کا

میں تم سے کہہ رہا ہوں مرا اعتبار کر
جانا تو یار کچھ نہیں ظالم سماج کا

فاقوں سے پیٹ بھر نہ سکا مفلسی ترا
گہنا فروخت ہو گیا بیٹی کے داج کا

اشکوں نے زیر کر لیا خوابوں کی فصل کو
اور اس پہ ایک دھڑکا بھی رہتا ہے باج کا

ارشدؔ یہ اور بات کہ بکھرا ہوں ٹوٹ کر
موتی رہا ہوں میں بھی کبھی اس کے تاج کا



دل کے قریب کر لیا خوابوں میں بھر لیا
اک خوشنما خیال کو سوچوں میں بھر لیا

کل دسترس میں آ گیا وہ گل بدن مری
مہکے ہوئے وجود کو سانسوں میں بھر لیا

ہوتی رہے گی دل پہ وہ برسات نور کی
اک چاند سے وجود کو راتوں میں بھر لیا

اضطراب

اتنا قریب آ گیا ہے ایک جست میں
صدیوں کے اک خلا کو ہے لمحوں میں بھر لیا

بے چین کر رہا تھا مجھے اضطرابِ دل
اک دلنشیں جمال کو سوچوں میں بھر لیا

میں نے ہر ایک بات جو تجھ سے نہیں کہی
نظموں میں ڈھال دی، اسے غزلوں میں بھر لیا

جچتا نہیں ہے اب کوئی چہرہ حسیں مجھے
ارشدؔ کسی کے روپ کو آنکھوں میں بھر لیا

اضطراب



تیری چشمِ کرم مجھ سے دلگیر پر
ناز کرنے لگا ہوں میں تقدیر پر

اضطرابی کسی طور کم تو ہوئی
ایک بوسہ دیا تیری تصویر پر

تیری زلفوں کے پھندے میں دل آ گیا
میں نے وارا جہاں ایسی زنجیر پر

وار نظروں کے بھی کارگر ہیں بہت
اور لگتے ہیں الزام شمشیر پر

دل دھڑکتا نہیں ہے قرینے سے جو
کیا بھروسہ کروں ایسے بے پیر پر

میرے دل کی گلی سے وہ گزرے کبھی
راستے وار دوں ایسے رہ گیر پر

میرے شعروں میں ارشد ہے وہ سادگی
لوگ جاتے نہیں ان کی تفسیر پر



عجیب طور کا کردار ہے تمہارا بھی
منافقت میاں معیار ہے تمہارا بھی

شکار بنتے ہی رہتے ہیں جس کے تازہ گلاب
سنا ہے اب کہ وہ حب دار ہے تمہارا بھی

یہ عشق کونسے اندھے کنویں میں لے جائے
ذرا تو سوچ کہ گھر بار ہے تمہارا بھی

چلو جدا جدا کرتے ہیں اب یہیں راہیں
کہ وسوسوں سے جی بیزار ہے تمہارا بھی

بہت خلوص سے ملتا ہے اب عدو سے وہ
کہ ایک شخص جو غمخوار ہے تمہارا بھی

اسے تو بوجھ اٹھانے کا حوصلہ بھی نہیں
کہ اب تو چلنا یہ دشوار ہے تمہارا بھی

ہماری بات کا ارشد بھرم نہیں رکھا
کہ اب تو ساتھ یہ بے کار ہے تمہارا بھی



میں نے جس پر ہر اک رشتہ دان کیا
اُس نے دل میں غیروں کو مہمان کیا

رک رک کر ہی سانسیں چلتی رہتی تھیں
طعنوں کے کچھ تیروں نے بےجان کیا

اور پھر میرا اٹھ کر آنا بنتا تھا
میں نے تیری مشکل کو آسان کیا

تجھ کو بھی احساس تو ہونا ہے اک دن
تُو نے کس پر کس کو تھا قربان کیا

مشکل تھا پر آگ لگا دی یادوں کو
امشب میں نے اپنا دل شمشان کیا

کچی نیند سے جاگا ہوں تو سمجھا ہے
کتنا میں نے خوابوں کا نقصان کیا

ہرجائی بھی پیار نبھاتے ہیں ارشدؔ؟
تُو نے یونہی اپنا دل ہلکان کیا



مٹا کہاں ہے یہ حیلے ہزار کرنے سے
کہ زخم اور نمایاں ہوا ہے بھرنے سے

سنو ! یہ ترکِ تعلق ہزار بہتر ہے
یوں روز روز اذیت کی موت مرنے سے

ذرا سا حوصلہ منظر بدلنا ہے تجھ کو
بلائیں ٹل نہیں جاتی ہیں یار ڈرنے سے

لباسِ فاخرہ چہرے پہ رنگ و روپ نیا
کہ دل کا میل بھی چھپتا ہے یوں سنورنے سے

میں اپنی ہار کو تسلیم کرنے والا ہوں
مگر تُو جیت نہ پائے گا میرے ہرنے سے

یوں بات بات کو ایسے گھما دیا اس نے
میں اس کو روک بھی پایا نہیں مکرنے سے

ہے عمر بھر کی اسیری عذابِ جاں ارشدؔ
ہمیں تو موت ہی بہتر ہے پرَ کُترنے سے



تیرے بھی حُب دار منافق
میرے بھی غمخوار منافق

مشکل جینا ہو جاتا ہے
ملتے ہیں دو چار منافق

کس کس کا میں سوگ مناؤں
نکلے سارے یار منافق

میں اس پار کو چھوڑ ہی دیتا
سامنے تھے اس پار منافق

چور بھی چوری تب کرتا ہے
در ہو یا دیوار منافق

یوں تو مجھ سے بھی ملتے ہیں
ہنس ہنس کے ہر بار منافق

کشتی ڈوب ہی جاتی ہے وہ
جس کے ہوں پتوار منافق

ارشد تُو بھی ان جیسا ہے
سب کا سب سنسار منافق



محبت کی کہانی کچھ نہیں ہے
یہ جذبوں کی روانی کچھ نہیں ہے

جہاں احساس کا پودا نہ پنپے
وہاں آنکھوں کا پانی کچھ نہیں ہے

تغیر موسموں کا دل کے اندر
وگرنہ رُت سہانی کچھ نہیں ہے

کہ اک دھوکا ہے جتنا دے سکو تم
یہاں پر خاندانی کچھ نہیں ہے

بسیرا گر مکانِ دل نہیں تو
تمہاری لامکانی کچھ نہیں ہے

کہ ہم تسخیر کرتے ہیں دلوں کو
تمہاری راجدھانی کچھ نہیں ہے

یہاں جینا بہت مشکل ہے ارشدؔ
تُو کہتا ہے گرانی کچھ نہیں ہے



وفورِ شوق میں ہر بار جھوٹ بولتا ہے
میں جانتا ہوں مرا یار جھوٹ بولتا ہے

کسی کے ساتھ ہیں یکجا ضرورتیں اُس کی
جو بن کے میرا طلب گار جھوٹ بولتا ہے

ہزار خامیاں اُس میں، یہی ہے اک خوبی
کہ بولتا ہے لگاتار جھوٹ بولتا ہے

تمہاری آنکھ ہی دیتی نہیں ہے ساتھ میاں
ہمیشہ یار تو بے کار جھوٹ بولتا ہے

یہاں تو جھوٹ تواتر سے بولے جاتے ہیں
وہ ایک شخص تو دو چار جھوٹ بولتا ہے

یہ میرے پاؤں کے چھالے اسے دکھائے کوئی
جو کہہ رہا ہے قلم کار جھوٹ بولتا ہے

میں جیت جاؤں گا اس بار دیکھنا ارشدؔ
جواری ہار کے ہر بار جھوٹ بولتا ہے



رات، جگنو، تیرگی اور اضطراب
اُس کی یادیں بے کلی اور اضطراب

دور تک پھیلی ہوئی لمبی سڑک
چاروں جانب خامشی اور اضطراب

ساغر و مینا، سجی بزمِ طرب
اک سسکتی راگنی اور اضطراب

اضطراب

آسماں پر چاند کی اٹکھیلیاں
چھم چھما چھم چاندنی اور اضطراب

میز پر رکھا ہوا دیوانِ میر
رقصِ وحشت نغمگی اور اضطراب

سرسراتی آہٹوں کے شور میں
دور بجتی بانسری اور اضطراب

یہ بھی ارشد ہے حوالہ اب مرا
بے قراری، شاعری اور اضطراب



تُو نے نجانے کونسی چاہت کشید کی
میں نے خلوص بانٹ کے نفرت کشید کی

اب وہ بھی مجھ پہ تہمتیں دھرنے میں ہے مگن
جس نے مرے کلام سے شہرت کشید کی

میں اس لیے بھی پیڑ بچاتا ہوں دوستو
جب جب ستایا دھوپ نے راحت کشید کی

ہم نے متاعِ زیست لٹائی نہیں فضول
ہر اک نے اپنے وقت کی قیمت کشید کی

دہکے ہوئے تھے ہونٹ وہ انگار کی طرح
اور یوں خمارِ خواب میں حدت کشید کی

میں اس پہ اپنی جان لٹانے پہ تل گیا
اس کم شناس نے نہیں شدت کشید کی

ارشدؔ میں اس کے پیار میں مغلوب ہو گیا
اور ہارنے کے بعد بھی عظمت کشید کی



تو نے چھینا ہر سہارا دوستا
اب کروں گا غم گوارہ دوستا

کوئی ماتم بھی نہیں کرنا مجھے
اور ہنسنا ہے دوبارہ دوستا

ہاتھ چھوڑوں کس طرح سے ہاتھ سے
جان سے بڑھ کر وہ پیارا دوستا

کشتیِ جاں بھی بھنور میں ہے ابھی
دور دکھتا ہے کنارا دوستا

اس کو کھونے کا میں سوچوں کس طرح
ہر خوشی کو جس پہ وارا دوستا

بعد مرنے کے پڑھے دنیا جسے
لکھ وہ جیون کا شمارہ دوستا

گر پڑوں تو آ کے ارشد تھام لے
کب ملے گا وہ سہارا دوستا



کبھی جذبوں میں شدت بھی
کبھی خود سے شکایت بھی

عجب دیوانگی ہے نا
بڑھاپے کی محبت بھی

یہ دل بھی ایک بچہ ہے
کرے پگلا حماقت بھی

نہیں ہے دسترس میں جو
اسے پانے کی حسرت بھی

ہمیں کب راس آئے گی
تری نظرِ عنایت بھی

جسے دل میں بسایا ہو
اسے دیتے ہیں عزت بھی

انا کو مار دیتی ہے
کبھی ارشد ضرورت بھی



میں سوچتا ہوں جہاں میں کیا تھا خدا سے پہلے
کہ سانس لینے کو اور کچھ تھا؟ ہَوا سے پہلے

ہم ایسے لوگوں کی زندگانی بھی کیا عجب ہے
فنا کے بارے میں سوچتے ہیں بقا سے پہلے

تُو چاہتا ہے مراد پوری اگر ہو تیری
تو آنسوؤں کا وضو ہے لازم دعا سے پہلے

مثالِ صحرا جھلس رہا ہے بدن ہمارا
کوئی تو سانسوں کا لمس بھیجے گھٹا سے پہلے

حجاب چہرے کو ڈھانپ لینا ہی تو نہیں ہے
حیا نظر کی بھی ہے ضروری ردا سے پہلے

کبھی وہ مجھ کو پکارنے کا گمان کرتا
میں اُس کی جانب پلٹ کے جاتا صدا سے پہلے

غرور توڑا ہے تیرگی کا دیے نے ارشدؔ
سیاہ شب کا تھا رقص ہرسُو ضیا سے پہلے



کرب چہرے پہ نمودار نہیں بھی ہوتے
شاخ گل پر تو کہیں خار نہیں بھی ہوتے

ہر ترازو میں وفا کو نہیں تولا جاتا
سب محبت کے طلبگار نہیں بھی ہوتے

یا الہی تو مجھے ان سے بچا کر رکھنا
یار ہوتے ہیں مگر یار نہیں بھی ہوتے

روشنی ان کی بھی راہوں میں بچھی رہتی ہے
جو چراغوں کے طرف دار نہیں بھی ہوتے

در پہ آئے ہوئے سائل کا بھرم توڑتے ہو
چھوڑو تکرار کہ حق دار نہیں بھی ہوتے

تو کسی روز در دل کا قفل کھول کے دیکھ
سارے پنچھی تو وفادار نہیں بھی ہوتے

اپنی پاکٹ میں کہیں ہم کو پڑا رہنے دے
کھوٹے سکے کبھی بے کار نہیں بھی ہوتے

تختِ بلقیس اٹھا لانے کا دعویٰ تو کرو
جانتے ہیں کہ چمتکار نہیں بھی ہوتے

پھول تربت کو مقدر سے ملا کرتے ہیں
کتنے لاشوں کے عزادار نہیں بھی ہوتے

کیوں نہ ہم خود سے لپٹ کر کبھی رونا سیکھیں
بعض موقعوں پہ تو غم خوار نہیں بھی ہوتے

دل کے جذبوں کو پرونے کا ہنر جانتا ہوں
شعر سارے ہی تو شہکار نہیں بھی ہوتے

حاکم وقت پنہ گاہیں بنی رہنے دے
کچھ فقیروں کے تو گھر بار نہیں بھی ہوتے

ان کے کوچے میں قدم پھوک کے رکھنا ارشدؔ
دیکھ دشمن یہ طرح دار نہیں بھی ہوتے



اس واسطے بھی لب پہ کوئی التجا نہیں
جب سسکیوں کے شور سے وہ در کھلا نہیں

وہ بعید جانتے ہی نہیں کائنات کے
جو لوگ کہہ رہے ہیں کہیں پر خدا نہیں

دل جھوم جھوم جائے ہے ہر ایک تال پر
یہ دھڑکنوں کا گیت بھی تو بے صدا نہیں

مدت سے ایک شخص مرا ہم سفر ہوا
تقدیر مل گئی تھی مگر دل ملا نہیں

کچھ دیر آئنے سے یوں الجھا رہا ہوں میں
اور عکس کہہ رہا ہے تجھے جانتا نہیں

اک روز چھوڑ جائے گی ملبوسِ جسم کو
یہ روح بےوفا ہے کوئی باوفا نہیں

ارشؔد خیالِ یار سے نکلیں گے کس طرح
نقشہ بتا رہا ہے کہیں راستہ نہیں



اس نے پوچھا کہ محبت میں زیاں ہوتا ہے
میں نے ہنس ہنس کے کہا، یار کہاں ہوتا ہے

تم جسے اشک سمجھتے ہو حقیقت میں کہوں ؟
وہ تو جلتے ہوئے خوابوں کا دھواں ہوتا ہے

دکھ کبھی چیر کے دل کو نہیں ناپا جاتا
کرب چہرے کے مساموں سے عیاں ہوتا ہے

اس محبت نے عجب حال کیا ہے اب تو
وہ کہ ہوتا ہی نہیں جس کا گماں ہوتا ہے

لاکھ چاہو بھی بھلانا تو نہ بھولا جائے
جو کہ رگ رگ میں لہو بن کے رواں ہوتا ہے

یار اس طرزِ تخاطب پہ کبھی غور تو کر
تلخ لہجے میں کہا لفظ گراں ہوتا ہے

بے سبب تو نہیں اس دل کا مچلنا ارشدؔ
عشق برسات کے موسم میں جواں ہوتا ہے



کام آتا بھی تیرے میں کیا وقت پر
تم نے دی ہی کہاں تھی صدا وقت پر

کشتِ اُمید سوکھی رہی دوستا
چاہتوں کی نہ برسی گھٹا وقت پر

جرم رقصاں ہوا ہے مرے دیس میں
کاش ملتی کسی کو سزا وقت پر

موسمِ گُل کی آمد کے آثار ہیں
یار پنچھی کرو تم رہا وقت پر

رقص کرتی رہے گی یہ تیرہ شبی
گر جلایا نہ تم نے دیا وقت پر

اس لیے بھی جدائی مقدر بنی
دے نہ پائے کسی کو صدا وقت پر

روزِ محشر نہ ارشدؔ ندامت رہے
ہو سکے کر لو راضی خدا وقت پر



نقاب نوچ سکا گر منافقین کے میں
سپولے مار ہی دوں گا یہ آستین کے میں

تمہاری بے رخی مجھ سے سہی نہیں جاتی
وگرنہ طنز بھی سہتا ہوں حاسدین کے میں

وہ اختلاف کا حق جو مجھے نہیں دیتے
کبھی قصیدے نہ لکھوں گا حاکمین کے میں

جو ہو سکے مری آنکھیں کسی کو دے دینا
یہ بات کان میں کہہ دوں گا جانشین کے میں

مرے خلوص میں پھر بھی کمی نہیں آتی
ارادے بھانپ تو لیتا ہوں مطلبین کے میں

میں چاہتا ہوں کسی روز آسماں سے ملوں
تمام دکھڑے سناؤں اُسے زمین کے میں

یقین پختہ ہے توحید میں مرا ارشدؔ
کھٹکتا ذہن میں رہتا ہوں مشرکین کے میں



عجیب طرز کی آفت نے آ لیا ہے ہمیں
پیاسے لوگ تھے پانی نے کھا لیا ہے ہمیں

مدد کے واسطے آئے ہیں سلفیوں والے
کہ اک طرح سے تماشا بنا لیا ہے ہمیں

ہمارے نام پہ بھرنے ہیں پیٹ بھوکوں کے
اسی لیے ہی تو سر پر اٹھا لیا ہے ہمیں

کسی کی یاد کے سیلِ رواں میں بہہ جاتے
کسی کے ساتھ کے بند نے بچا لیا ہے ہمیں

کہ آسمان سے آفت اتارنے والے
زمین والوں نے کیا کم ستا لیا ہے ہمیں

بدن کی چوب تو بھیگی ہوئی تھی بارش میں
ستم شعار نے پھر بھی جلا لیا ہے ہمیں

ادھورے خواب کا ملبہ ہے آنکھ میں ارشدؔ
یہ کچی نیند سے کس نے جگا لیا ہے ہمیں



مرے کچے گھروندے کھا گیا ہے
یہ دریا اس قدر بپھرا ہوا ہے

تماشا بے بسی کا دیکھنے کو
کوئی ٹیلے پہ چڑھ کر ناچتا ہے

مری چیخیں فلک کو چھو رہی ہیں
مرا حاکم مگر بہرہ ہوا ہے

علامت زندگی کی تھا جو پانی
وہی اب موت بنتا جا رہا ہے

کوئی تو روک لے سیلِ رواں کو
مرے بچے بہا کر لے گیا ہے

مجھے دکھ ہے بلوچستان کا بھی
مگر تونسہ کلیجہ کاٹتا ہے

اُسے ارشد کبھی رہبر نہ کہنا
جو لاشوں پر سیاست کر رہا ہے



درد غیروں کو سنانے تو نہیں ہوتے یار
ہر جگہ اشک بہانے تو نہیں ہوتے یار

در بدر یونہی بھٹکتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہم فقیروں کے ٹھکانے تو نہیں ہوتے یار

پھول تربت کے بھلے لاکھ حسیں لگتے ہوں
وہ کہ جوڑے میں سجانے تو نہیں ہوتے یار

پاس رکھنا بھی ضروری ہے میاں وعدوں کا
پیار میں روز بہانے تو نہیں ہوتے یار

ہم تو محفل میں تری دید کو آ جاتے ہیں
ہم نے بس شعر سنانے تو نہیں ہوتے یار

جانے کیا سوچ کے دنیا میں ہمیں بھیجتا ہے
جب ہمارے وہ زمانے تو نہیں ہوتے یار

پھینک پانی میں تو نیکی کو کما کر ارشدؔ
ظلم دریا میں بہانے تو نہیں ہوتے یار



ہم چراغوں پہ ہواؤں کا اثر باقی ہے
رات لمبی ہے پہ امیدِ سحر باقی ہے

لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کو سنبھالے رکھنا
رہروانوں سے کہو تھوڑا سفر باقی ہے

ہم محافظ کی پناہوں میں نہ مارے جائیں
ساری بستی کے مکینوں میں یہ ڈر باقی ہے

پیاس کہتی ہے کہ ہونٹوں سے گزارو دریا
آنکھ کہتی ہے کہ تپتا ہوا تھر باقی ہے

اس لیے بھی تو پرندے نہیں ہجرت کرتے
گھر کے آنگن میں ابھی ایک شجر باقی ہے

فصل خوابوں کی اُگائی تھی کبھی آنکھوں میں
دل کی شاخوں پہ اُمیدوں کا ثمر باقی ہے

وہ کہ دستار کی حرمت بھی تو رکھتے ارشدؔ
یوں تو کہتے ہیں کہ شانوں پہ یہ سر باقی ہے



چراغ آندھی کے سامنے جو ڈٹا ہوا ہے
کہ اس لیے بھی تو کچھ اندھیرا چھٹا ہوا ہے

جو مجھ پہ تہمت لگا رہے ہیں انہیں بتاؤ
کہ میرا کُرتہ تو پیٹھ پر سے پھٹا ہوا ہے

میں اس کو منزل پہ لے کے جانے کا سوچتا ہوں
وہ کارواں جو کہ اپنی رہ سے ہٹا ہوا ہے

وہ چاہتے ہیں کہ ان کو دستار سونپ دیں ہم
وہ جن کے شانوں سے سر تو پہلے کٹا ہوا ہے

تمہاری چالوں سے ہار جانے کا غم نہیں ہے
تمہارے طعنوں سے دل ہمارا پھٹا ہوا ہے

غبار سورج کو ڈھانپ لے گا تو کیا کرو گے
یہ گرد روکو کہ جس سے منظر اٹا ہوا ہے

ہمارے اپنے عدو کی صف میں کھڑے ہیں ارشدؔ
ہمارا لشکر یوں وسوسوں میں بٹا ہوا ہے



ہماری اس میں خطا نہیں ہے تُو جانتا ہے
نصیب اپنا ملا نہیں ہے تُو جانتا ہے

ترے لیے ہی میں التجائیں تو کر رہا تھا
کہ پتھروں نے سنا نہیں ہے تُو جانتا ہے

وفا تو پرکھوں کی لاج پر ہم نے واری دی تھی
یہ سرخ آنکھیں سزا نہیں ہے تُو جانتا ہے

بنا کے رکھی ہے اس لیے بھی اندھیری شب سے
کہ طاقچے میں دیا نہیں ہے تُو جانتا ہے

جہاں کی رسموں سے ہار کر بھی تو جی رہے ہیں
یہ زندگی سے نبھا نہیں ہے تُو جانتا ہے

چلو یہ مانا میں کام آیا نہیں ہوں تیرے
کہ آدمی تو خدا نہیں ہے تُو جانتا ہے

ابھی تو ارشد سکوت اوڑھے ہے مثلِ صحرا
ابھی تو طوفاں اُٹھا نہیں ہے تُو جانتا ہے



آپ مشکل میں سفینے کی طرف دیکھتے ہیں
اور ہم لوگ مدینے کی طرف دیکھتے ہیں

میں نے اس واسطے شجرہ نہیں پوچھا تم سے
دیکھنے والے قرینے کی طرف دیکھتے ہیں

کم شناسوں نے ہے مٹی میں ہمیں رول دیا
جوہری ہوں تو نگینے کی طرف دیکھتے ہیں

وقتِ رخصت کا وہ منظر ہے بسایا دل میں
یاد آتا ہے تو سینے کی طرف دیکھتے ہیں

اس کے آنے کی خبر جب سے سنی ہے ہم نے
دن ، گھڑی اور مہینے کی طرف دیکھتے ہیں

وہ کہ مزدور کی اجرت نہیں کھاتے ارشدؔ
لوگ جو بہتے پسینے کی طرف دیکھتے ہیں



تیرے سنگ تھا موج میلہ اک برس
اب گزاروں گا اکیلا ، اک برس

زندگانی دیکھ میرا حوصلہ
تجھ کو میں نے اور جھیلا اک برس

وقت کی پونجی بچاتا کس طرح
ہاتھ میں آیا نہ دھیلا اک برس

جانے کس جانب بہا کر لے گیا
تیری یادوں کا وہ ریلا ، اک برس

اُس نے بھی آنکھیں بدل لیں آج کل
میرے جذبوں سے جو کھیلا اک برس

گُر بتاتا ہے مجھے وہ الاماں
جو رہا تھا میرا چیلا اک برس

اس بجٹ سے بھی ہمیں ارشدؔ ملا
پھر گرانی کا جھمیلا اک برس



زر پرستوں کے طرف دار نہیں بن سکتے
لاکھ چاہئیں بھی تو ہم یار ، نہیں بن سکتے

جائیے جا کے نگینوں کو پرکھنا سیکھیں
آپ یوسف کے خریدار نہیں بن سکتے

منزلیں دور سہی راستے پُر پیچ تو کیا
مسئلے راہ کی دیوار نہیں بن سکتے

یار سوچو کہ محبت میں کمایا کیا ہے
ہم جو دو سے بھی اگر چار نہیں بن سکتے

دستِ آذر کی مہارت کا اثر بولتا ہے
ورنہ کہسار سے شہکار نہیں بن سکتے

میری بیٹی میں تجھے علم کی دولت دوں گا
بھائی ورثے میں تو حق دار نہیں بن سکتے

یہ تو پھولوں سے محبت کا صلہ ہے ارشدؔ
میرے اشعار کبھی خار نہیں بن سکتے



دھند پڑنے سے تو پھیلے گا دھواں دیر تلک
آنکھ عاجز ہے کہ دیکھے گی کہاں دیر تلک

کون صحرا کے مسافر کا پتہ پوچھتا ہے
ریت پر رہتے ہیں کب نام و نشاں دیر تلک

عین ممکن ہے کوئی راہِ طلب پر آتا
دینے والے نے مگر دی نہ اذاں دیر تلک

ایک لاچار کی آہیں نہ کسی تک پہنچیں
لوگ سنتے رہے واعظ کا بیاں دیر تلک

دیکھ لینا وہ کبھی دے گا گواہی میری
روک پائے گا نہ ظالم تُو زباں دیر تلک

اب چلے آئے ہو ہاتھوں پہ اٹھائے سورج
رات کے ساتھ میں جاگا ہوں یہاں دیر تلک

اس کہانی کی حقیقت بھی کھلے گی ارشدؔ
رقص کرتے نہیں اب وہم و گماں دیر تلک



اب تو کسی کے قرب کی حاجت، مگر کہاں
نکلی درونِ دل سے وہ چاہت مگر کہاں

پلکوں پہ ادھ کھلے ہوئے خوابوں کا رقص ہے
ہو جائے گی بسر شبِ فرقت مگر کہاں

البم پرانا کھول کے بیٹھا ہوا ہوں میں
اس میں وصالِ یار سی لذت مگر کہاں

لاکھوں لوازمات ہیں کھانے کی میز پر
رسمی تکلفات میں الفت مگر کہاں

مجھ سے گلے ملا بھی تو کچھ بے دلی سے وہ
ان سردیوں کی دھوپ میں حدت مگر کہاں

کتنے زمیں کا رزق بنے خاک چھانتے
ہر ایک کے نصیب میں شہرت مگر کہاں

ارشدؔ خسارے زیست کے رہتے ہیں دیر تک
پورا انہیں کرے گی یہ دولت مگر کہاں

انور گوئیندی کی زمین میں



ساغر یا پھر نینوں سے مے نوشی کی
یار وجہ کچھ ہوتی ہے مدہوشی کی

کل بھی بزمِ یاراں میں تھی بات چلی
کل بھی میں نے اُس کی پردہ پوشی کی

ملنا مشکل تھا تو مجھ کو بتلاتے
تم نے جانے کیونکر یوں روپوشی کی

اضطراب

سرد ہَوا کو لمس ملا جب آنچل کا
اُس نے میرے کانوں میں سرگوشی کی

کیا تھا اُس کا شعر ، کہ مارا جاؤں گا
ہاں میں نے آواز سنی تھی دوشی کی

تھوڑا سا ان ہونٹوں کو بھی جنبش دو
چیخ سنائی دیتی ہے خاموشی کی

عجلت میں ہر کام بگڑتا ہے ارشدؔ
جھولی بھرتی ہے آخر سنتوشی کی



اُڑ رہا ہے جو ہوا کے دوش پر
آ گرے گا خاک کی آغوش پر

عارضی دنیا کی چاہت کس لیے
اِس کو رکھو ٹھوکرِ پاپوش پر

جام دکھتے ہیں رسیلے ہونٹ بھی
ساقیا ! غصہ نہ کر مے نوش پر

عقل بازی کو پلٹتی ہے میاں
تو نے تکیہ کر لیا ہے جوش پر

ایک کچھوا دیکھ بازی لے گیا
خود پہ نازاں تھا بہت خرگوش، پر

حق بیانی پر زباں بھی کاٹ دے
رہ نہیں سکتا ہوں میں خاموش، پر

اک جھلک اُس نے دکھائی تھی مجھے
ہو گیا ہے اب کہیں روپوش ، پر

یہ محبت ایک طرفہ ہی سہی
اس میں ارشدؔ کیا کسی کا دوش، پر



دل کیا بتاؤں میں تجھے کتنا اُداس ہے
جب سے گیا تو گاؤں کا رستہ اُداس ہے

کس نے یہاں پہ بھوک کی خیرات بانٹ دی
بستی کے ہر مکین کا چہرہ اُداس ہے

تالے پڑے ہوئے ہیں سکولوں کے گیٹ پر
ہر ایک نونہال کا بستہ اُداس ہے

قسمت کا فیصلہ ہوا جس کو اُچھال کر
بٹوے میں آج بھی پڑا سکّہ اُداس ہے

مال و متاعِ زیست سے دو گز زمیں ملی
اک حکمراں کی قبر کا کتبہ اُداس ہے

کچے گھڑے نے جیت لی بازی وفا کی یوں
صدیاں ہوئیں کہ آج بھی دریا اُداس ہے

لڑنا پڑے گا شام تلک سرخ دھوپ سے
ارشدؔ کہ سبز پیڑ کا سایہ اُداس ہے



جاں بلب تھا غضب کی پیاس سے میں
سیر ہوتا بھی کیا گلاس سے میں

اُس کی خوشبو لپٹ گئی مجھ سے
آج گزرا تھا اُس کے پاس سے میں

ریل کی آخری بجی سیٹی
اور اُلجھا رہا حواس سے میں

اضطراب

مجھ کو گندم کا بوجھ ڈھونا تھا
سوت لیتا بھی کیا کپاس سے میں

جسم چھلنی ہوا ہے اندر سے
ٹھیک دکھتا تو ہوں لباس سے میں

نا اُمیدی کی جب چلے آندھی
باندھ لیتا ہوں دل کو آس سے میں

ہو اجازت تو کاٹ لوں ارشدؔ
پیٹ پالوں گا خشک گھاس سے میں



گوگل پہ اُس کے گاؤں کا نقشہ تو ہے نہیں
رستہ بھی میں نے ٹھیک سے پوچھا تو ہے نہیں

تم کہہ رہے ہو لوٹ کے آیا ہوا ہے وہ
کھڑکی سے ایک بار بھی جھانکا تو ہے نہیں

گردان آؤ آؤ کی کرتا رہا ہوں میں
پنچھی مری مُنڈیر پہ اُترا تو ہے نہیں

اب کس طرح مناتا رہوں اُس کو بار بار
پچپن برس کا شخص ہے بچہ تو ہے نہیں

یہ دو دلوں کا رابطہ ٹوٹے بھی کس طرح
بندھن کسی کے پیار کا دھاگہ تو ہے نہیں

تم ہی بتا دو پاؤں کے چھالوں کا کیا کروں
اس دشتِ خار زار میں رکنا تو ہے نہیں

ارشد ملی جو زندگی زندہ دلی سے جی
پھر لوٹ کر جہان میں آنا تو ہے نہیں



باہر نکل کے اس لیے جانا تو ہے نہیں
دشتِ خیالِ یار میں رستہ تو ہے نہیں

دکھ میں بھی پھوٹ پھوٹ کے ہنستا ہوں زار و زار
جس سے لپٹ کے رو سکوں کاندھا تو ہے نہیں

اُجڑے ہوئے دیار کے منظر کو کیا کہوں
چھوڑا تھا جس طرح اسے ویسا تو ہے نہیں

اضطراب

ہونٹوں سے کس طرح کروں میں حالِ دل بیاں
آنکھوں کی جب زبان تُو سمجھا تو ہے نہیں

حاصل دعاؤں سے بھلا کیا کچھ ہوا مجھے
تجھ کو مرے نصیب میں لکھا تو ہے نہیں

میں کس طرح سے مان لوں وہ غمگسار ہے
حالت کو میری دیکھ کے تڑپا تو ہے نہیں

ارشدؔ بڑے تپاک سے ملتا ہے آج کل
اک شخص جس نے عمر بھر مانا تو ہے نہیں



کسی بھی جنس کے ملتے نہیں ہیں دام تمام
چلو کہ پھینک ہی دیتے ہیں مالِ خام تمام

کبھی کبھی تو یہ حسرت بھی سر اٹھاتی ہے
تمہارے ساتھ گزاروں میں ایک شام تمام

ہماری پیاس کا محور تھیں شربتی آنکھیں
ہمارے سامنے رکھے گئے تھے جام تمام

کرے گی دان کسی روز دید شہزادی
اسی امید پہ جیتے رہے غلام تمام

میں خد و خال سے پہچان لوں اسے شاید
وگرنہ بھول ہی جاتے ہیں مجھ کو نام تمام

"بساطِ زیست" پہ ہر سو ترا حوالہ ہے
تری ہی یاد میں لکھا گیا کلام تمام

یہی خیال تو رکھتا ہے مضطرب ارشدؔ
کہیں رہیں نہ ادھورے ہمارے کام تمام



سرد موسم میں ہَوا تو نہیں مانگی جاتی
چھت ٹپکنے پہ گھٹا تو نہیں مانگی جاتی

تُو کسی اور کے کالر میں سجا پھول ہے دوست
تجھ کو پانے کی دعا تو نہیں مانگی جاتی

جس کی عریانی چھپائی ہو اندھیری شب نے
کیا کرے وہ کہ ضیا تو نہیں مانگی جاتی

اس محبت میں تجارت نہیں ہوتی مجھ سے
دل کے بدلے میں وفا تو نہیں مانگی جاتی

ان کو پُرکھوں کی روایت پہ ہے کاٹا جاتا
بے زبانوں سے رضا تو نہیں مانگی جاتی

جب سے منسوب ہوا ہے تُو کسی اور کے ساتھ
تیرے ہاتھوں کی حنا تو نہیں مانگی جاتی

ایک وہ شخص مقدر میں نہیں تھا ارشدؔ
رب سے کچھ اور عطا تو نہیں مانگی جاتی



جب دعائے وصل کی تلقین کی
اُس نے ہر اک لفظ پر آمین کی

اس لیے بھی دہریوں سے دور ہوں
دل نہیں سنتا کسی بے دین کی

سرسراہٹ آستینوں میں ہوئی
نبض تھامی تھی ابھی تو بین کی

اِن بیابانوں میں آنا ہے کسے
بے سبب تم نے یونہی تزئین کی

اور تیری دوستی کو کیا کہوں
یار اِس نے زندگی رنگین کی

جانتا ہے وہ خسارہ زیست کا
جس نے بھی ماں باپ کی تدفین کی

کس نے مانگا ہے وفاؤں کا صلہ
کس نے ارشدؔ پیار کی توہین کی



بوئے وفا نکال کے ٹھکرا دیا بدن
یہ کس طرح کا عشق تھا گہنا دیا بدن

شب تو خیالِ یار کی چادر میں کٹ گئی
دن بھر غموں کی دھوپ نے جھلسا دیا بدن

اک پنکھڑی گلاب کی ہونٹوں سے آ لگی
یوں ایک لمس نے مرا مہکا دیا بدن

عجلت تھی جانے کونسی کوزہ گرا تجھے
اک مضطرب سی روح کو پہنا دیا بدن

کھا کر شکست بھوک سے بچوں کے باپ نے
پنکھے پہ رسی ڈال کے لٹکا دیا بدن

غیروں سے کیا گلہ کروں اک غمگسار نے
طعنوں کے تیر مار کے زخما دیا بدن

ارشدؔ وہ گرم سانسوں کی حدت کو کیا ہوا
کس نے تمہارا برف میں دفنا دیا بدن



خدا سے مانگنے لگتا ہوں میں تقدیر بیٹی کی
نگاہوں میں اُتر آتی ہے جب تصویر بیٹی کی

وہؐ بی بی فاطمہؓ کے واسطے اُٹھ کر کھڑے ہوتے
نبیؐ نے کر کے دکھلائی ہمیں توقیر بیٹی کی

میں جب مایوسیوں کی تیز آندھی سے بکھرتا ہوں
ہمیشہ باندھ لیتی ہے مجھے زنجیر بیٹی کی

وہ ناداں لوگ ہیں جو بیٹیوں کو بوجھ کہتے ہیں
کہ رحمت بن کے آتی ہے سدا ہمشیر بیٹی کی

کبھی اُس گھر کے آنگن میں اندھیرا ہو نہیں سکتا
ہر اک گوشے میں ہوتی ہو جہاں تنویر بیٹی کی

میں بیٹی کو کسی صورت پرایا دھن نہیں کہتا
کہ اِس ہجرت میں ہوتی ہے کہاں تقصیر بیٹی کی

تو اِس کی آنکھ میں آنسو کبھی آنے نہ دے ارشدؔ
سرِ افلاک جاتی ہے صدا ، دلگیر بیٹی کی



بغضِ واعظ کے جو فتوے کی سند ہے رد ہے
اس میں ہر زیر زبر پیش کہ شد ہے رد ہے

تیرے لہجے کا تکبر ہو گوارا کیسے
نامور ہے تُو کہ چاہے ترا قد ہے رد ہے

اس فسانے میں حقیقت کا گماں تک بھی نہیں
یار اس طرزِ تخیل کی جو حد ہے رد ہے

میں کسی کی بھی وکالت نہیں کرنے آیا
میرے احباب میں کوئی بھی جو بد ہے رد ہے

کونسی چیز ہے خالص مجھے اتنا تو بتا
"جس طرف سے بھی ملاوٹ کی رسد ہے رد ہے "

تشنگی جسم کے صحرا کی مٹاتا بھی نہیں
تیرے دریاؤں کے پانی میں جو مد ہے رد ہے

میں نے ہر ایک سے تجھ کو ہی مقدم سمجھا
دلِ ارشد میں اگر تیرا حسد ہے رد ہے



کسی کو اس طرح چاہا تھا میں نے شدت سے
پھر اُس کی یاد کو جوڑا گیا عبادت سے

کچھ اس لیے بھی محبت بہا رہا ہوں میں
جہاں کو پاک بھی کرنا تو ہے، عداوت سے

میں ایک چاند کا دیدار کر کے آیا ہوں
سو باغ باغ ہے یہ دل مرا مسرت سے

بدن ہے ریشمی لیکن مزاج پتھر کا
"ذرا نہ موم ہوا پیار کی حرارت سے"

یہ پھول کلیاں یہ پتے بکھرنے لگتے ہیں
وہ پاؤں گھاس پہ رکھتا ہے جب نزاکت سے

اُسے خبر ہی کہاں ہے خمار کیا شے ہے
جو آشنا ہی نہیں ہے لبوں کی لذت سے

تو کیا اُس پیڑ کا سایہ نہیں رہا ارشدؔ
جھلس رہا ہے بدن دھوپ کی تمازت سے



دوسری بار عبادت بھی تو ہو سکتی ہے
یار اک اور محبت بھی تو ہو سکتی ہے

اتنے مبہم تو اشارے بھی نہیں تھے اُس کے
ہاں کسی روز وضاحت بھی تو ہو سکتی ہے

آؤ کچھ کام ادھورے ہیں مکمل کر لیں
ختم یہ وقت کی مہلت بھی تو ہو سکتی ہے

میں اسی آس پہ گاؤں کی طرف آیا ہوں
سانس لینے میں سہولت بھی تو ہو سکتی ہے

تیرے چہرے کی سُپیدی میں جو لالی آئی
یہ مری آنکھ کی حدت بھی تو ہو سکتی ہے

عین ممکن ہے کہ منزل کے نشاں مل جائیں
کارِ اُلفت میں خجالت بھی تو ہو سکتی ہے

سرخ ہونٹوں سے ذرا ہونٹ ملا لو ارشدؔ
بادہ خواری کی سی لذت بھی تو ہو سکتی ہے



اندر وہ کھڑکیوں میں کھڑی جھانکتی رہے
باہر تمام رہ گزر میں تازگی رہے

آنکھوں کو سرفراز کریں دید سے حضور
کل کیا خبر کہ دیپ میں نہ روشنی رہے

اس تلخئِ حیات میں لہجے کی چاشنی
اس سے کہو کہ کان میں رس گھولتی رہے

اے کاش کوئی اس طرح کی شب نصیب ہو
میں تجھ کو دیکھتا رہوں تُو بولتی رہے

مبہم بنا رہا ہوں میں ہر ایک بات کو
جی چاہتا ہے تُو بھی مجھے سوچتی رہے

دو بار آج اُس نے مری کال کاٹ دی
اب کس طرح سے دل میں مرے شانتی رہے

ارشدؔ یوں بےرخی پہ اگر میں بھی آ گیا
پھر عمر بھر وہ میرا پتہ پوچھتی رہے



ہستی ملا کے خاک میں پھر سے نیا بنا
جیسا اُسے پسند ہو ، کوزہ گرا بنا

میں ننگے پاؤں چلنے لگا خارزار پر
آئی صدا تھی غیب سے ، چل راستہ بنا

مجھ کو تمہاری بات سے کچھ اختلاف ہے
بہتر یہی ہے اور کوئی ہمنوا بنا

جی چاہتا ہے روح میں اُس کو اُتار لوں
حالات کہہ رہے ہیں ذرا فاصلہ بنا

بدلے ہوئے ہیں رہزنوں نے بھیس آج کل
کچھ دیکھ بھال کر تُو کوئی رہنما بنا

آدمؑ کے بعد قیس کی تھی پیروی ہوئی
اور اس طرح سے پیار کا یہ قافلہ بنا

تجھ کو تمہارے روپ کا پرتو دکھائی دے
ارشدؔ کسی کی آنکھ کو تُو آئنہ بنا



آپ کے صدقے میں ہو جائے شفاعت باپ کی
یا الہیٰ قبر کو کر دے تو جنت، باپ کی

اپنی خوشیاں بیچ آیا ہوں میں بچوں کے لیے
تب کہیں جا کر سمجھ آئی ہے عظمت باپ کی

تُو کبھی دھبہ نہ لگنے دینا میرے نام پر
میرے بیٹے یوں ہی رہنے دینا شہرت باپ کی

بھوک بہتر ہے کہ بریانی ملے خیرات میں
یاد رکھنا عمر بھر تُو یہ نصیحت باپ کی

اپنے بچوں میں نوالہ اپنے منہ کا بانٹ دے
اس سے بڑھ کے اور ہو بھی کیا سخاوت باپ کی

بوڑھے اعضاء میں جوانی لوٹنے لگتی ہے پھر
بیٹا بن جائے بڑھاپے میں جو طاقت باپ کی

پاؤں دھو دھو کر میں پیتا اُس کے ارشدؔ ہر گھڑی
کاش کہ اک بار ملتی پھر سے قربت باپ کی



بھٹکنا پڑتا ہے کچھ انتظام ہونے تک
پرندے لوٹ ہی آتے ہیں شام ہونے تک

سُنہری زلف سے اُلجھا ہوا ہے شہزادہ
کرے گا زعم وہ خود پر غلام ہونے تک

تمہارا مرکزی کردار ہے کہانی میں
ہمارے پیار کا قصہ تمام ہونے تک

ہمیں خبر ہی نہ تھی کے خمار کیا شے ہے
گلابی مدھ بھرے ہونٹوں کے جام ہونے تک

نصیب اپنی جگہ ہے مگر حقیقت میں
کہ درد بیلنے پڑتے ہیں نام ہونے تک

یہاں کے لوگوں کی یہ بھی سرشت دیکھی ہے
بہت خلوص سے ملتے ہیں کام ہونے تک.

تجھے اس عارضی شہرت سے کیا ملا ارشدؔ
تُو کتنا خاص تھا یاروں میں عام ہونے تک



ابنِ آدم کی ریاضت کا گلا گھونٹ دیا
بنتِ حوّا نے محبت کا گلا گھونٹ دیا

بے رخی بوجھ بڑھاتی رہی شانوں پہ مگر
اُس کو دیکھا تو شکایت کا گلا گھونٹ دیا

سانس لیتا ہوں تو سینے میں چبھن ہوتی ہے
یار یہ کس نے سہولت کا گلا گھونٹ دیا

یاد آتا ہے وہ بچپن کا زمانہ مجھ کو
اس جوانی نے شرارت کا گلا گھونٹ دیا

جھوٹ رقصاں تھا مرے چاروں طرف مدت سے
اور پھر میں نے جبلت کا گلا گھونٹ دیا

مجھ کو اُس پیڑ کا سایا تھا میسر جس نے
غم کے سورج کی تمازت کا گلا گھونٹ دیا

مجھ سے رشتوں کی یہ زنجیر نہ ٹوٹی ارشدؔ
دل سے اُٹھتے ہی بغاوت کا گلا گھونٹ دیا



بیتے لمحے یاد آئیں گے
ٹوٹے سپنے یاد آئیں گے

جب پردیس میں شام ڈھلے گی
تجھ کو اپنے یاد آئیں گے

روتا چھوڑ کے جانے والے
تیرے وعدے یاد آئیں گے

بچپن میں جو مل کر کھیلے
کھیل انوکھے یاد آئیں گے

دل کے خالی پنجرے کو بھی
یار پرندے یاد آئیں گے

جب تنہائی رقص کرے گی
پیار کے نغمے یاد آئیں گے

تپتی دھوپ میں اُس کے ارشدؔ
گیسو بھیگے یاد آئیں گے



اُس نے پوچھا ! کیسا ہے
دل کیوں زور سے دھڑکا ہے

رات کو یاد کی بارش تھی
دن کا موسم اچھا ہے

اس بستی کے لوگوں کا
دین دھرم سب پیسہ ہے

اضطراب

تھوڑا سا محتاط رہو
دیکھو ! باہر خطرہ ہے

کیسے وہ انصاف کرے
جب قانون ہی اندھا ہے

تم اُس کو آواز تو دو
اوپر والا سنتا ہے

ڈھونڈ رہا ہوں ارشدؔ کو
تم نے اس کو دیکھا ہے



آسمانوں کی طرف کوئی دعا جاتی نہیں
اس لیے بھی تو زمیں سے یہ وبا جاتی نہیں

جس کو دیکھو بند ہے اپنی انا کے غار میں
سسکیوں کی اب کسی تک بھی صدا جاتی نہیں

ان دکھاوے کی مناجاتوں سے حاصل ہو بھی کیا
جب تلک قلب و نظر سے یہ ریا جاتی نہیں

سبز پتوں سے لپٹتی ہے وہ بانہیں کھول کر
خشک پیڑوں کی طرف بادِ صبا جاتی نہیں

اس تعلق کو بچانا چاہتی ہے وہ اگر
وسوسوں کی گرد آ کر کیوں ہٹا جاتی نہیں

جا تجھی کو ہو مبارک وہ تری جنت میاں
جانتا ہوں میں ترے جیسا مناجاتی نہیں

لگ رہا ہے اس کو ارشد تیری چاہت ہی نہ تھی
ورنہ وہ لڑکی کبھی یوں دل دکھا جاتی نہیں



تمہیں تو واعظ عبادتوں کا صلہ ملے گا
ہمیں جنوں کی مشقتوں سے بھی کیا ملے گا

کسی کے چہرے کو ڈھونڈتی ہونگی میری آنکھیں
خدا پرستوں کو روزِ محشر خدا ملے گا

او جانے والے پلٹ کے آؤ تو دیکھ لینا
جہاں میں اب ہوں اسی جگہ بت کھڑا ملے گا

بہت ضروری ہے دل کے رشتوں میں ڈھیل دینا
یہ ڈور اُلجھی تو پھر نہ اس کا سرا ملے گا

تمہاری یادوں کی روشنی میرے کام آئی
مجھے یقیں تھا اندھیری شب میں دیا ملے گا

ہم اپنے ظاہر میں ہر کسی کو دکھائی دیں گے
ہمارے اندر عجیب سا اک خلا ملے گا

یہ بھیڑ دیکھو تو ایک جیسی لگے گی ارشدؔ
کہ غور کرنے پہ سب کا چہرہ جدا ملے گا



تمہاری قسموں ، تمہارے وعدوں کا کیا بنے گا
وہ مل کے مانگی ہوئی مرادوں کا کیا بنے گا

ذرا سی مشکل میں تم جو رستہ بدل رہے ہو
کہ ساتھ جینے کے اُن ارادوں کا کیا بنے گا

برہنہ جسموں کو ڈھانپ رکھا ہے تیرگی نے
سحر جو پھوٹی تو بے لبادوں کا کیا بنے گا

بناں ستونوں کے آسماں جو کھڑا ہوا ہے
یہ گر پڑا تو زمین زادوں کا کیا بنے گا

پرانے قصّوں کی شاہزادی بدل چکی ہے
نئے فسانوں کے شاہزادوں کا کیا بنے گا

اُجاڑ دل کو اسی لیے تو بسا نہ پایا
میں سوچتا تھا تمہاری یادوں کا کیا بنے گا

بساطِ الفت پہ یار ارشدؔ کبھی تو سوچو
وفا کے مارے ہوئے پیادوں کا کیا بنے گا



وفا پرستوں کو بے وفاؤں کا سامنا ہے
چراغِ ہستی کو اب ہواؤں کا سامنا ہے

تری خدائی بجا ہے عرشِ بریں کے مالک
ہمیں زمیں پر بھی کچھ خداؤں کا سامنا ہے

گلی گلی میں جو بھونکتے ہیں سگانِ دنیا
انہیں فقیروں کی بددعاؤں کا سامنا ہے

میں سوچتا ہوں مکین ٹکتا نہیں ہے کیونکر
کہ اس حویلی کو سو بلاؤں کا سامنا ہے

چلو کہ دیکھیں جواب دیتی ہے کس کی ہمت
بپھرتے دریا کو تیرے گاؤں کا سامنا ہے

ہماری سانسوں کا یہ تغیر بتا رہا ہے
تمہارے کوچے کی پھر فضاؤں کا سامنا ہے

بچاؤں کیسے تڑپتے دل کو بتاؤ ارشدؔ
اسے کسی کی حسیں اداؤں کا سامنا ہے



پیرہن جو کم دیا ہے مجھ کو میرے ناپ سے
اس پہ کیا میرا گلہ بنتا نہیں کچھ آپ سے

گرم کپڑوں کی تمنا میں ٹھٹھرتے نونہال
سرد سانسیں چھین لی ہیں بے کسی نے باپ سے

اس سے بڑھ کے اور کیا ہو زندگانی کا جواز
دل کا انجن چل رہا ہے آنسوؤں کی بھاپ سے

ناچنے لگتے ہیں سائے پھر اندھیری رات کے
تھرتھراتا ہے دیا جس دم ہوا کی چاپ سے

ایک بوسے کی طلب دوزخ میں لے آئی مجھے
رات بھر جلتا رہا میرا کلیجہ تاپ سے

روزِ محشر جس خطا کی کوئی بخشش ہی نہ ہو
یا الٰہی ! تو بچانا مجھ کو ایسے پاپ سے

چاہتوں کے گیت ارشدؔ گنگنانا سیکھ لے
یار مہکیں گی فضائیں ایک دن آلاپ سے



یونہی نہیں ہر ایک سے بےزار اِن دنوں
میں ہوں غمِ حیات سے دو چار اِن دنوں

ایسی نہ جانے کونسی سر زد خطا ہوئی
مجھ سے خفا ہوئے ہیں مرے یار اِن دنوں

تُو نے بھی گود لے لیا ہے غم کوئی ضرور
پیلے پڑے ہیں اس لیے رخسار اِن دنوں

ساقی شرابِ حسن بھی ساغر میں ڈال دے
ترسے ہیں بوند بوند کو مےخوار اِن دنوں

آئی نہیں کسی سے بھی مہر و وفا کی باس
بس چار سُو ملے ہیں اداکار اِن دنوں

ارشدؔ یہ کس خمار میں رہتے ہو آج کل
کرتے ہو بات بات پہ تکرار اِن دنوں



دینِ عشق میں شرک گوارا کیسے ہو
سوچ رہا ہوں پیار دوبارہ کیسے ہو

جس کی اپنی سانسیں گروی رکھی ہوں
خود سوچو وہ شخص تمہارا کیسے ہو

تیری دید کو صحرا ہوتی آنکھوں کا
ایک جھلک پہ یار گزارا کیسے ہو

اضطراب

آٹھ پہر اس سوچ میں ڈوبا رہتا ہوں
اس جیون کا دور خسارہ کیسے ہو

ہر منظر پر پنجے گاڑے بیٹھی ہے
دھند میں لپٹی شام، نظارہ کیسے ہو

جس کی اوک سے دریا پانی بھرتے ہیں
اُس کشتی سے دور کنارا کیسے ہو

تن من اُس کی نفرت نے جھلسایا ہے
ارشدؔ اب وہ آنکھ کا تارا کیسے ہو



ڈھونڈتی چہرہ کسی دن کھڑکیاں رہ جائیں گی
اور پسِ پردہ تمہاری ہچکیاں رہ جائیں گی

موت اپنے ساتھ لے جائے گی اُنگلی تھام کر
چاہنے والوں کی پیچھے سسکیاں رہ جائیں گی

اِس بہانے ہی سہی میں یاد آؤں گا تمہیں
فیس بک کی وال پر جو سلفیاں رہ جائیں گی

پھول سارے چُن کے لے جائے گا گُلچیں باغ سے
دربدر یونہی بھٹکتی تتلیاں رہ جائیں گی

جب خزائیں نوچ لیں گی سبز شاخوں کا لباس
ہجر اُوڑھے زرد رنگی ٹہنیاں رہ جائیں گی

جس گھڑی چاہے گا ڈوری کھینچ لے گا بازی گر
اُنگلیوں پہ ناچتی کٹھ پُتلیاں رہ جائیں گی

یہ کہاں سوچا تھا ارشدؔ ہم ملیں گے اِس طرح
روبرو ہوتے ہوئے بھی دوریاں رہ جائیں گی